

ہاجرہ مسرور کے افسانوں میں جمالیات کا نمونے

ارشاد احمد

سکالر آف ایم فل، اردو، قرطبه یونیورسٹی

ڈاکٹر عباز احمد جان

اسٹینٹ پروفیسر اردو و ڈیپارٹمنٹ، قرطبه یونیورسٹی

Abstract

Hajra Masroor are prominent short story writers of Urdu literature who beautifully portrayed the social, cultural, and psychological aspects of their time in their works. The aesthetic dimension in the short stories of the authors holds great significance, reflecting the depth of their creative artistry and literary craftsmanship. Hajra Masroor short stories highlight social realism and the intricacies of human psychology, with a language that combines simplicity and impact. Hajra Masroor's stories address social injustices, women's issues, and class struggles with an emotional and dynamic approach. Her use of powerful metaphors and satire is notable, making her stories aesthetically distinctive. This article presents the aesthetic elements in the short stories of Hajra Masroor, focusing on language, themes, character development, and style. This research will help in understanding the depth of writer's art and emphasize the importance of aesthetics in Urdu short stories.

پیدائش سے لے کر موت آنے تک انسان کئی ادوار سے گزرتا ہے، اس دوران وہ بہت سے فسانے سنتا ہے تو کئی افسانے اس کی شخصیت کے گرد گھومتے ہیں۔ قصہ، کہانیوں سے مخلوق ہونا انسانی جبلت میں شامل ہے۔ اس سلسلہ کا آغاز ماں کی گود سے ہی ہو جاتا ہے، بچ کے رونے پر ماں لوریا سنانے لگتی ہے، بعد ازاں نیندناہ آنے پر گھر کی بزرگ خواتین لوک دست انہیں سنانے لگتی ہیں۔ یہیں سے دستان کا آغاز ہوتا ہے جس کی جگہ بعد میں ناول لے لیتا ہے۔ فرانس کے صنعتی انقلاب کے بعد عوام و خواص کے پاس جب وقت کی قلت ہوئی تو اس عہد کے ادباء نے سوچا کہ کیوں نہ ایسی تحریر لکھی جائے جو ایک ہی نشست میں پڑھی جاسکے اور یوں بدلتے ہوئے وقت نے افسانے کو پروان چڑھایا اور ادب کی یہ مختصر صنف ناول کی بُنّ بُنّت زیادہ پڑھی جانے لگی کیونکہ اس برق رفتار زمانے میں تین سو اور چار سو صفحات کے ناول پڑھنے کے لیے وقت کہاں اس لیے جنگل کی آگ کی طرح اکثر ادباء نے افسانے کو اپنی تحریر کا محور بنایا یوں ہزاروں مصنفوں نے لاکھوں افسانے تحریر کیے۔ ڈاکٹر پروین اظہرنے اپنی کتاب "اردو میں مختصر افسانہ نگاری کی تنقید" میں افسانے کے متعلق لکھا ہے:

"قصہ کہانی کو انسانی زندگی میں بڑی اہمیت حاصل رہی ہے، انسان کی نشوونما میں اس نے نمایاں رو ادا کیا،

انسان کو فرحت و سکون کے لمحات دیے، اس نے تلخونا گوار زندگی کو خوشگوار بنایا۔ افسانے کی نیادی غرض

اگرچہ دل بہلانا اور مسرت و انبساط کا سامان فراہم کرنا ہے۔ بقول مجنوں گور کھپوری: افسانہ، افسانہ ہے اور

اس کی غایت جی بہلانا اور تھکان دور کرنا ہے" ۱

انسان کی گھٹی میں اللہ تعالیٰ نے جمال پسندی اور جمال پرستی کے عناصر کوٹ کوٹ کر رکھے ہیں۔ جمالیات ادب کا جز ہے اس لیے ادب کو جمالیات سے اور جمالیات کو ادب سے کسی بھی صورت میں علیحدہ کرنا ممکن نہیں، اس لیے تو کہا جاتا ہے کہ ادب اور جمالیات کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ ساتھ ا Hazel سے شروع ہوا تھا اور ابد تک جاری رہے گا۔ سوال یہ ہے کہ جمالیات کیا ہے؟ اس کا جواب کئی مفکرین نے مختلف حوالوں سے دیا ہے، ڈاکٹر وقار احمد رضوی جمالیات کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"لفظ جمالیات عربی لفظ 'جمال' سے بنایا گیا ہے۔ 'حسن' جمالیات میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ احساس جمال

در اصل زندگی کے اس شعور کا نام ہے جو زندگی کے اعلیٰ قدروں سے ہم اہنگ ہو اور اس کی ندرت سے فیض

یاب ہو۔ زندگی کے اعلیٰ اقدار یہ بیس: محبت، خوشی، دلیری" ۲.

جمالیات بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم ہیں ایک "داخلی حسن" کا احساس جس میں انسانی سوچ اور تفکر اہم کردار ادا کرتا ہے۔ دوسرا "خارجی حسن" جو کسی انسان کے حواس خمسہ کے ذریعے اس کے مشاہدے میں آتا ہے۔ مصنف اپنے اندر و فی سوچ (داخلی حسن) اور بیرونی مشاہدے یعنی (خارجی حسن) دونوں کو اپنے فن پرے کا حصہ بنائے جمالیات کا احساس ابھارنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، اس طرح مصنفوں نے اپنے فن پاروں میں "جمالیات" کے کامیاب تجربے کیے ہیں۔

ادب میں مطالعہ جمالیات نہ صرف انسانی ذوق کی تسلیکیں کرتا ہے بلکہ اس مطالعے سے انبساط کی لہریں انسانی ذہن کو ثابت انداز میں متاثر کرتی ہیں۔ لہذا جمالیات اور ادب ساتھ ساتھ چلتے نظر آتے ہیں۔ اردو ادب کی خوش قسمتی ہے کہ "احساس جمال" کو اجاگر کرنے میں درجنوں افسانہ نگاروں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان افسانہ نگاروں میں ایک بڑا نام ہاجرہ مسروور کا بھی ہے۔ جنہوں نے اپنے افسانوں میں نت نئے تجربے کر کے احساس جمال کو بڑی کامیابی سے بر تباہے۔

جمالیات فلسفے کی ایک شاخ ہے اس لیے جمالیات کی جامع اور مستند تعریف فلسفے کے امام افلاطون سے بڑھ کر کون کر سکتا ہے، افلاطون کا اس ضمن میں کہنا ہے کہ:

"اس ناکمل کائنات میں ہمیں حسن و جمال کی اصل اور کامل حالت نہیں مل سکتی کیونکہ یہ تو "ظل" ہے

اس حسن کا جو مستور ہے" ۳

ہزاروں سال قبل جب اسلام اور مسیحیت کا وجود نہ تھا بھی افلاطون نے اس کائنات کو فلسفی قرار دیا، ظاہر ہے اگر کائنات ہی کامل نہیں تو اس میں موجود اشیا کیسی کامل ہو سکتی ہے، یعنی جو حسن ہم اپنے ارد گرد دیکھ رہے ہوتے ہیں وہ تو صرف ایک سایہ ہے اس کی کامل اور جامع صورت تو کہیں اور موجود ہے۔

افلاطون نے افلاطون کے بعد فلسفے میں جب جماليت پر لب کشائی کی تو تصور حسن کو اور بھی پیچیدہ اور ادق بنا دیا۔ افلاطون کے

بقول:

"انسانی روح نے اس عالم آب و گل میں آنے سے پہلے آسمانوں پر ازلی حسن کی جھلکیاں دیکھیں جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کی روح کی گہرائیوں میں جذب ہو کر رہ گئیں، اس لیے انسان دنیا میں ازلی حسن کی تلاش میں سر گردال ہے۔ اگر اسے کہیں حسن نظر آتا ہے تو وہ اس مشابہت کی بنابر ہے جو آسمان اور دنیاوی حسن میں ایک رشتہ ممااثلت قائم کرنے کا باعث بنتی ہے" ۲

افلاطون کے نظریہ جمال کو اگر ہم اسلام کے ساتھ بھی جوڑ کر دیکھیں تو کہیں نہ کہیں ہماری تشغیل بھی ضرور ہو جاتی ہے۔ اس مٹ جانے والی دنیا میں آنے سے قبل اگر دیکھا جائے تو آدم علیہ السلام کو تخلیق کیا گیا تھا، انہوں نے جو اصل حسن کا مادہ و سرچشمہ ہے ان کا دیدار کیا تھا یعنی جو لا فانی ہے، اب دسے ازل تک رہے گا، اس اصل دنیا کو اپنی نگاہوں سے دیکھا تھا۔ اب آج لاکھوں سال بعد آدم کی اولاد کو جہاں بھی حسن نظر آتا ہے، اس کے دل کو بھلا معلوم ہوتا ہے، اور جب اس سے بڑھ کر کوئی حسین چیز نظر آتی ہے تو پہلے والے کو بھول جاتا ہے اور یوں اصل حسن کی ترب میں سر گردال رہتا اور اس کی تشکیل کبھی نہیں ہوتی کیوں کہ اصل حسن تو کہیں اور پایا جاتا ہے۔

افلاطون اور افلاطون کے کئی سو سال بعد سٹوکس کی باری آتی ہے۔ سٹوکس کا رجحان یہ رہا ہے کہ خیر حسن ہے۔ ان کے نزدیک ہر شے حامل خیر بھی ہے۔ وہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ حسن شر کا باعث بھی ہو سکتا ہے کیونکہ حسن تو اتنا طفیل ہے کہ وہ کثافت شر کا متحمل ہی نہیں ہو سکتا بلکہ وہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ:

"جس کے پاس نظارہ جمال کے لیے آنکھیں نہیں وہ کامل انسان ہی نہیں، اس سے نیکی کا سرزد ہونا اگر ممکن نہیں تو کم از کم مشکل ضرور ہے" ۵

سٹوکس دو قدم آگے بڑھ کر حسن کو خیر سے تشبیہ دیتے ہیں، یعنی کہ ہر حسین شے خیر کی موجب ہوتی ہے، ان کا یہ قول فلسفیوں اور دانشوروں کے دلوں میں گر کر گیا کیوں کہ ظاہر ہر شخص کے خیر میں یہ بات موجود ہے کہ جہاں کوئی برافعل سرزد ہو جائے تو شبہ حسین کے بجائے بد صورت پر کیا جاتا ہے۔ یعنی ہماری فطرت گوارا نہیں کرتی کہ حسن شر کو پھیلانے کا سبب بن سکتا ہے۔ سٹوکس یہاں چار قدم آگے بڑھ کر حسن جمال کو عدد درجہ فوقیت دیتے ہیں یعنی صرف آنکھیں ہونا کافی نہیں ہے جب تک ان آنکھوں سے حسن کی جھلکیاں نہ دیکھی جائیں اور جس کی فطرت حسن سے عادی ہے اس سے خیر کی توقع رکھنا بے معانی ہیں۔

نقادہ "عارفہ اور لیں خان" اپنی شہرہ آفاق کتاب "اردو تنقید کا اصل چہرہ" میں حسن کے بارے بتاتی ہیں:

"در اصل حسن بذات خود ایک حسین لفظ یا احساس ہے اور حسن ہمیشہ ہم آہنگی، توازن اور ترتیب سے تشکیل

باتا بے" ۶

جہاں بات حسن کی آجائے وہاں احساس ضرور پایا جاتا ہے اور جہاں جتنا بڑھ کر احساس پایا جاتا ہے وہ اتنا ہی نایاب اور قیمتی سرمایہ بن کر ابھرتا ہے، جہاں خیالات باہم یکجا ہو رہے ہوں، کوئی اونچ پنچ نہ ہو اور ہر شے ایک ترتیب سے آؤ زماں ہوں تو آنکھوں کو خوب معلوم ہوتی ہے یوں حسین کی تعریف پر پورا اترتی ہے۔

تنقید کا آغاز مغرب میں ارسطو سے ہوتا ہے اور اردو ادب میں حالی کو بانی سمجھا جاتا ہے لیکن نقادوں نے نقد میں جمال کی تلاش بھی ناگزیر سمجھی جانے لگی کہ وہ آخر کون سے اقدار ہیں، وہ کون سی خصوصیات ہوتی ہیں جن کے سبب ادب، ذوق جمال کو ابھارنے کا سبب بنتا ہے: جمالیاتی تنقید کی تعریف کرتے ہوئے "ڈاکٹر عبادت بریلوی" اپنی کتاب "اردو تنقید کا ارتقا" میں لکھتے ہیں:

"تنقید کی ایک اور قسم جمالیاتی تنقید کہلاتی ہے، جس کا کام فنی، ادبی، تخلیقات کی جمالیاتی اقدار کو دیکھنا ہوتا ہے۔"

جمالیاتی اقدار سے مراد وہ خصوصیات ہیں جن کا وجود ہر فنی اور ادبی تخلیق میں موجود ہوتا ہے اور جوان کو حسین

بناتی ہے۔ جمالیاتی تنقید انہی حسن پیدا کرنے والے خصوصیات کو تلاش کرتی اور ان کی جانب پڑتاں کرتی ہے" ۷

مندرجہ بالا تعریف کے مطابق جمالیاتی نقاد ادبی تخلیق میں ان خوبیوں کی تلاش میں سرگردان رہتا ہے جو ادب میں حسن پیدا کرتی ہے،

نقاد ان خوبیوں کی تلاش میں رہتا ہے جو احساس پر شدت سے وار کرتی ہو۔

انسان کی پانچ بنیادیں حسیات ہی ہوتی ہیں جس سے وہ محسوس کرتا ہے، جس قدر حسیات کا استعمال زیادہ ہو گا اس قدر مشاہدہ بڑھ کر ہو گا اور جیسے جیسے مشاہدہ، تجربے کی شکل اختیار کر لیتا ہے تو نتیجہ فنون لطیفہ کی شکل میں نکل آتا ہے اس لیے فنون لطیفہ یعنی آرٹ میں جمالیات کو ڈھونڈنا جاتا ہے جس میں حساس لوگوں میں، خواص کے لیے کوئی نہ کوئی پیغام پوشیدہ ہوتا ہے، جو اس کی ضمیر کی تشفی کا باعث بنتی ہے۔ اس ضمن "ڈاکٹر ابوالکلام قاسمی" اپنی کتاب "نظریاتی تنقید" میں لکھتے ہیں کہ:

"سائزیز اور ایشوریہ فلسفوں میں لذت اصل اصول ہے جس کی بنیاد حسیات پر ہے، ان کی جمالیات بھی حسیاتی

ہے، ان کے نزدیک فنون لطیفہ حسن کی تخلیق کر کے ہمیں لذت و سرسرت سے ہم کنار کرتے ہیں، یہی فلسفہ کی

بھی غایت ہے" ۸

افسانہ، جمالیات، ادب میں جمالیات اور جمالیاتی تنقید کی بات تو ہو گئی لیکن بعض اوقات تنقید میں کسی صنف میں دوادیوں کے فن پاروں کو جب کسی ایک مشترکہ خوبی کی کسوٹی پر تولا جاتا ہے تو ان تقابل کہلاتا ہے، اس کو واضح کرنے کے لیے "محمد حسن"، "اپنی کتاب" مشرق و مغرب میں تنقیدی تصورات کی تاریخ" میں تقابلی ادب کی تعریف کرتے ہیں کہ:

"قابلی ادب محض اس ادب سے عبارت نہیں ہے جس میں محض کسی بھی دوفکاروں کا تقابل کیا جائے یا کسی دو

مختلف زبانوں یا ادبیات کے درمیان تقابلی مطالعہ کیا جائے بلکہ وہ ادب ہے جو دوفکاروں، دو تہذیبوں اور دو زبانوں

کے ادبیات کے درمیان مختلف سطحیوں کے لین دین تلاقی اور تناقض کا مطالعہ کر کے اس کے دور رسم حرکات کو بے

نقاب کرتا ہو اور وسیع تر عالمی آگایوں کو سامنے لاتا ہو" ۹

زبان چوں کہ علم کی ترسیل کا ذریعہ گردانی جاتی ہے چاہیے زبانی ہو یا تحریری۔ اسی تحریری زبان میں فنکار ادب تخلیق کرنے لگتا ہے اور فنکار تہذیبیوں سے وابستہ ہوتے ہیں تو بلاشبہ اس کی تاثیر قبول کیے بغیر نہیں رہا جاسکتا ان تمام تر پہلوؤں کی خوبیوں اور خامیوں کو آشکارا کرنے کا ذمہ نقاد اٹھاتا ہے۔ دور اندیش نقاد صرف عصری حرکات کو نہیں بلکہ آنی والی نسلوں اور تمام انسانیت کے بارے سوچتا ہے۔ زمانہ کی گردش میں چنے بغیر ناقد آنے والے وقت اور تقاضوں کو بجانپ لیتا ہے۔

تحریک، حرکت سے جنم لیتی ہے، یہی انفرادی حرکت جب اجتماعی شکل اختیار کر لیتی ہے تو تحریک کہلاتی ہے، حسن کی پرستش کرنے والے شیدائی ہر زمانے میں رہے ہیں۔ تنقید کے بانی نے جمال کو دلیل اور عقل کے پیمانے پر تولنے کی کوشش کی لیکن مستقبل قریب میں نقادوں کے ایک ٹولے نے جب مل کر جمالیاتی تحریک کا آغاز کیا تو عقل پر دل کو ترجیح دی یعنی دلیل پر احساس کو فوقیت دی۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ادب ہو چاہیے فون افون لطیفہ سب سے پہلے احساس کو ابھارتا ہے۔ یہی احساس جب وجد پر طاری ہو کر سرچڑھ کر بولتا ہے تو دل سے لطف کے مارے سمجھان اللہ نکل آتا ہے۔ اس ضمن میں چوٹی کے نقاد "اعتیق اللہ" کے کتاب "مغرب میں تنقید کی روایت" سے تعریف پیش خدمت ہے:

"ارسطو کا جمالیاتی تصور استدلال اور تعقل کی بنیاد پر قائم ہے جب کہ انسیوں صدی کے اوخر میں پروان چڑھنے

والی جمالیاتی تحریک میں جذبہ و احساس کو رہنمابنایا گیا ہے۔ کوئی فن تعقل کے بجائے پہلے وجود ان اور جذبے پر اثر

انداز بوتا ہے۔ احساساتی سطح پر بم اس سے رشتہ قائم کرتے
بیں اور لطف اندوز بوتے بیں" ۱۰

اردو ادب میں تنقید کی بنیاد پر عمارات بنانے کا ٹھیکہ بہت سے نقادوں نے اپنے سر لے لیا اور ادب کو تنقید کے اصل اور جدید اصولوں پر استوار کیا، ان اہم نقادوں میں آل احمد سرور، کلیم الدین احمد اور احتشام حسین کے نام شامل ہیں، ان سب ہی نے جمالیات کو ادب کے لیے اور ادب کے لیے جمالیات کو ناگزیر عنصر قرار دیا۔ ان تمام اہم نقادوں نے تسلیم کیا کہ جمالیاتی پہلو کو نظر میں رکھے بغیر ادب کی صحیح تدریجیت کا تعین ممکن نہیں۔ اس بارے "سنبل بکار،" اپنی کتاب "اردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ" میں لکھتی ہیں:

"آل احمد سرور نے کہا کہ ادب کو سب سے پہلے ادب کی کسوٹی پر پر کھانا چاہیے، اس کسوٹی پر پورا اترنے کے بعد اگر وہ

زندگی اور سماج کا خدمت گزار بھی ہے تو یہ اس کی مزید خوبی ہے۔۔۔ کلیم الدین احمد نے ترقی پسند ادب کی مخالفت کی

تو اس لیے کہ وہاں جمالیاتی قدروں پر توجہ کم ہی رہی۔۔۔ احتشام حسین ادب میں مارکسی نظریات کی تلاش کرتے رہے

لیکن اس اعتراف پر وہ بھی مجبور ہوئے کہ حسن کاری سے ادب

میں جان پڑتی ہے" ۱۱

ہاجرہ مسرور (۱۵ اگسٹ ۱۹۳۰ - ۲۰۱۲ اگسٹ) اردو ادب کی مشہور و معروف افسانہ نگار ہندوستان کے شہر بریلی میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد کا نام ڈاکٹر تیور اختر خان تھا جو کہ ایک سرکاری ملازم تھے۔ بطور فوجی ڈاکٹر کے ان کو ان کی ملازمت کے سلسلے میں شہر شہر پھرنا پڑتا، ان کا تبادلہ ہوتا رہتا۔ اس لیے بچوں کو پورا وقت نہیں دے سکتے۔ ان کی والدہ انور جہان علی ذوق و شوق رکھنے والی خاتون تھیں جس کی وجہ سے بچوں نے بھی اثر قبول کیا۔ بچپن میں ہی والد کے انتقال کے بعد مشکل حالات سے گھر دوچار ہوا۔ تقسیم ہندوستان کے بعد ان کے خاندان نے پاکستان کو چنان اور پاکستان میں لاہور آ کر آباد ہوا۔

ہاجرہ مسرور، خدیجہ مستور کی چھوٹی بہن تھیں۔ پانچ بہنوں میں سے خدیجہ اور ہاجرہ نے اردو ادب میں اپنا مقام بنایا۔ ہاجرہ نے بچپن سے ہی لکھن، پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ آپ نے اپنے فن پاروں میں احساس جمال کو بہت فروغ دیا، خاص طور پر آپ نے محبت اور عورت کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ معروف مصنفہ ہاجرہ مسرور نے افسانہ نگاری میں بڑا نام پیدا کیا۔ ان کے افسانے جمالیات کے بلند پایہ نمونے ہیں۔ ایک خاتون مصنفہ ہونے کے ناطے ان کا قوت مشاہدہ بڑا تیز تھا اور ان کے عین مشاہدے اور تیز نظر وہیں سے ان کے فن پارے جمالیاتی پہلوؤں کے حوالے سے اردو ادب کا بڑا سرماہی ثابت ہوئے۔

ہاجرہ کے تعلقات مشہور شاعر ساحر لدھیانوی کے ساتھ تھے لیکن غیر ارادی طور پر ایک مجلس میں موجود ساحر کے فن پارے پر تقدیم کر کے ان کے راستے جدا ہو گئے اور یوں رشتہ ختم ہونے کا باعث بنا۔ ہاجرہ نے احمد علی خان سے شادی کی جو کہ ڈان کے ایڈیٹر تھے۔ یہ شادی ستاون بر سر تک قائم رہی۔ ان کی وفات ۱۵ ستمبر ۲۰۱۲ کو ہوئی۔ ان کی تصانیف میں "چاند کی دوسری طرف" "تیسری منزل" "اندھیرے اجائے" "چوری چھپے" "ہائے اللہ" "چرکے" اور "ولوگ" شامل ہیں۔ ذیل میں ان کے افسانے "ہیری کاٹھ" میں احساس جمال کو اجاگر ہوتے ہوئے دیکھ لیں:

"درختوں میں گھری ہوئی پھولوں سے سمجھی ہوئی پگڈنڈیوں سے گزرو تو جسم یوں ہلاکا چلکا ہو جاتا ہے جیسے پر نکل آئے ہوں، ہم اپنی بلند آوازوں اور بے ساختہ ہنسی سے خود ہی لطف اندوڑ ہو رہے تھے۔ سمت، وقت اور فاسدے کا احساس کم ہو چکا تھا۔ گھریاں ہمارے شور سے گھبرا کر درختوں پر چڑھ جاتیں اور چڑیاپنے پر کھول کر فضائیں تیر جاتیں اور اس عالم میں مجھے اپنے ہاتھ پر ان کے ہاتھ کی گرمی ایک عجیب سی حفاظت اور انوکھی سی بے لوث محبت کا احساس بخش رہی تھی۔ ہمیں خبر بھی نہ ہوئی کہ کب پیلی پڑتی، دھوپ کو باد لوں نے اپنے آنچل میں لپیٹ لیا، خبر اس وقت ہوئی جب بارش اور الوں نے آیا" ۱۲

ہاجرہ مسرور کو صنف افسانہ میں خواتین افسانہ نگاروں میں اگر سرفہرست نہ کہیں تو کم از کم بانو آپ کے بعد ان کا نام ضرور آتا ہے۔ ہاجرہ کے ہاں متنوع موضوعات موجود ہیں جس میں تانیشیت کا عنصر غالب ہے۔ احساس کی اگربات کی جائے تو ان کا افسانہ "ایک کہانی بڑی پرانی" انسان کو جھکڑ لیتا ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

"وہ گھر اکر پٹی اور لحاف میں خوفزدہ بچے کی طرح چھپ کر بیٹھ گئیں اور پھر اون سلائیاں نظر آئیں تو کچھ یوں تیزی سے بننے لگی جیسے اون کے یہ پھندے ان کے آوارہ خیالات کو بھی جکڑ لیں گے" ۱۳

اس افسانے کی قدر و قیمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اردو کی ثانوی کتاب میں یہ افسانہ شامل نصاب ہے۔ اس عبارت میں خاتون کو ایک خوف زدہ بچے سے تشبیہ دی گئی ہے، اور اون کے نرم و نازک دھاگوں کو پھانسی کے پھندے سے جوڑا گیا ہے کہ کس طرح عورت کے جذبات کو آوارہ سمجھا جاتا ہے اور کسی کو ان میں دل چسپی نہیں ہوتی۔

باپ اور بیٹی کا رشتہ دنیا کے تمام رشتؤں میں سب سے زیادہ قابلِ احترام رشتہ ہے، لیکن جب بیٹی کی عزت تاریخ ہو گئی ہو اور اس کا دکھڑا تک سننے کو کوئی تیار نہیں ہوتا بلکہ زخم پر مر ہم رکھنے کے بجائے نمک چھڑ کا جاتا ہے تو باپ پر کیا یہی ہے، ان جذبات کو خوبصورت الفاظ کا سہارا لے کر ہاجرہ نے افسانہ "چاند کے دوسری طرف" میں بیان کیا ہے:

"صاحب آپ تو جانتے ہیں کہ اپنی اولاد سبھی کو خوبصورت لگتی ہے مگر میری لاالی کو پاس پڑوں والے برادری سبھی خوبصورت سمجھتے ہیں۔ کوئی اسے پری کہہ کر پکارتا ہے، کوئی شہزادی، کوئی سوہنی۔ روپورٹ لکھونے کے اس مریل طریقے سے جل کر کمرے میں موجود ایک سپاہی نے اسے کپو کا دیا: ویسے یہ بات ٹھیک ہے کہ تھانوں اور عدالتوں میں حسن کا ذکر عشق کے بغیر آتا ہی نہیں۔ ایسے سوال پر تھانے میں بیٹھے ہوئے کسی بھی باپ کا سرجھک سکتا تھا لیکن بیان دینے والا اچھل کر کر سی پر سیدھا بیٹھ گیا، ماتھے کا گیلار و مال اس کی گود میں گرا اور ماتھے کے زخم سے خون کے قطرے پھر اس کے چہرے پر پھسلنے لگے" ۲

جمال دنیا کے ہر رشتے سے زیادہ ایک باپ کو بیٹی میں نظر آتا ہے، باپ کے لیے بیٹی ہی کل کائنات کی مانند ہے، بیٹی کا حسن شہزادی، پری، سوہنی کی صورت نظر آتا ہے لیکن معاشرے کے بھیڑیے اس طرح نہیں سوچتے ان کے لیے تو وہ دل بھانے کا سامان ہے جس کے جسم کو نونچنے کے لیے ہر وقت پرتوں رہے ہوتے ہیں۔ ہاجرہ نے یہاں نظر نظر کی بات چھیڑی ہے یعنی ہر شخص کا حسن جمال اور ایک شے کے متعلق مختلف سوچ ہو سکتی ہے۔

افسانہ "پھوار" میں ہاجرہ مسرورنے نہیت حسین و جمیل منظر کھینچا ہے، موسم کے تمام تغیرات کو سیکھا کر دیا ہے جیسے کہ بادل، دھوا، پھوار، بوندیں اس طرح ٹپ ٹپ، پٹکتی، نہانا، ٹھٹھرنا ایک جیسے الفاظ کا حسین استعمال ان رنگیں زبانی میں چار چاند لگادیتے ہیں۔ ساتھ ہی نفسیاتی پہلو کی نشان دہی بھی کی گئی ہے کہ ایک طرف تو سردی کے مارے جسم کا نپ رہا ہے تو دوسری طرف دماغ کو کٹھن حالات کے لیے تیار کرنا ہے۔

"وہ بھی جاؤں کی ایک شام تھی، اس دن گھرے دھوکیں جیسے بادلوں سے پھوار سی موہوم سی انداز سے گردھی تھی۔ یہ پھوار پرانی متروکہ کوٹھی کی ایک چھت اور سمندھ میں ہے، آواز طریقے پر گرتی رہی اور جذب ہوئی گئی لیکن

پرانے انداز کے لمبے سے سرخ برآمدے کی کافی گلی مٹڑیوں اور گلروں پر یہی پھوار گرتی تو سمٹ کر بوندیں بن جاتیں اور پھر نیچے پھیلے ہوئے پانی کے ننھے ننھے گڑھوں میں ٹپ سے گرجاتی۔ کہنے کو فرخندہ خانم کری پر بیٹی ایماں نفیات کے آخری سال کا آزمائش پر چھ حل کر رہی تھی لیکن ان کا ساز وجود برآمدے کے ماتھے پر سے پٹکتی ہوئی پانی کی بوندوں جیسے نہار ہاتھا، ان کا نجیاں تھا کہ سردی میں صاف ہوا سے دماغ تروتازہ ہو جاتا ہے اس لیے کوئی حرخ نہیں کہ جسم پر انے کورٹ میں ٹھہرنا تھا لیکن دماغ نفیاتی داؤ پچ سیمٹنے کے لیے آمادہ ہو سکے" ۵

افسانہ "پھوار" میں ہاجرہ مسرور نے جس ڈھنگ سے احساس جمال کو بیان کیا ہے شاید ہی کسی اور افسانے میں کیا ہو۔ زندگی کی دو، تین دہائیوں تک انسان جس لمس کو محسوس کرنے کے لیے گزار دیتا ہے وہ کتنا حسین لمحے ہوتا ہے جب وہ کسی کے باñھوں میں جاتا ہے یا کوئی اسے اپنے باñھوں میں سمیٹ لیتا ہے، وہ بے خوابی، غنوادگی سے بھرا احساس ناقابل بیان ہوتا ہے، تب کائنات کی کوئی شے معانی نہیں رکھتی۔ اس حسین لمحے کو ہاجرہ مسرور نے کچھ اس طرح سے پیش کیا ہے:

"اور زندگی میں پہلی بار فرخندہ خانم نے اپنے آپ کو دنیا کے ہر خطرے سے محفوظ سمجھا، پہلی مرتبہ وہ ان باñھوں کے بوجھتے ننھی سی ضدی بچے کی طرح سے سکتی ہوئی نرم نرم روئی کے گالو جیسے پر لطف خواب میں ڈوب گئیں۔ عباد الرحمن کے مندے سے چند بول سننے کے لیے ہی جیسے وہ پچیس سال کی عجیب سی بے خوابی میں مبتلا تھیں۔ انہیں یوں لگا جیسے عباد الرحمن کی بانہیں لمبی ہوتی گئیں، بہت لمبی بیہاں تک کہ انہوں نے ساری کائنات کو اپنے حلقوں میں

لے لیا ہے" ۶

ہاجرہ مسرور کے اسلوب اور انداز بیان میں موئی تبلگ جاتے ہیں جب وہ نہیات باریک سے باریک جزبات کو بھی اپنے کھینچنے کے منظر کے ذریعے قابل بیان بنادیتی ہیں۔ افسانہ "محبت اور" کا اقتباس ملاحظہ ہو:

"لڑکی ابھی تک برف کی سل کی طرح مجدد بیٹھی تھی۔ مگر جیسے قطرہ قطرہ کر کے پھٹل رہی تھی۔ لیمپ کی سونی روشنی میں اسے اپنی ماں کا چہرہ خوبصورت اور جوان لگ رہا تھا۔ دہانے کے گرد گھری ہوتی ہوئی قوسیں اور کنپیوں پر جھریوں کے مہین جمال غائب سے تھے۔ کشمکش رنگت کے پوٹوں تلے کپکپاتے ہوئے آنسو اور خشک ہونٹ، اسے اپنی ماں ایک خوبصورت ننھے کی موت پر لکھے ہوئے مرثیے کی طرح نظر آرہی تھی" ۷

لڑکی کو جب ہزاروں قسم کے مختلف جذبات گھیر لیتے ہیں تو اس ناگفتہ بہ حالت کو برف کی سیل سے تشبیہ دی ہے اور کیا حسین مثال ہے جس طرح سیل پھلتی ہے بوند بوند کی صورت اس طرح زندگی بھی شب و روز کی صورت اپنا سفر جاری رکھتی ہے، بیہاں موجود کردار کی فوت شدہ ماں کے چہرے کی جھریوں کو مکھڑی کی مھین جمال سے تشبیہ دی ہے اور اپنی ماں کی صورت کو خوبصورت مرثیہ بتایا ہے۔

افسانہ "محبت اور" میں ہاجرہ مسرورنے ایک عورت کے اندر ونی جذبات کا نقشہ کھینچا ہے، جب انسان اندر سے کھوکھا پن کا شکار ہو جائے، احساس

تنہائی یا احساس محرومی دل میں سماجے یا نشستہ دل پاروں میں بٹ جائے تو انسان کس کیفیت سے دوچار ہوتا ہے، عبارت میں ملاحظہ ہو:

"آنڈھی بدستور غرار ہی تھی، بند کھڑ کھیوں پر نخے نئے کنکر نج رہے تھے اور کھلا ہوا دروازہ کبھی دھڑ سے

بند ہو جاتا اور کبھی اچانک کھل کر خاک دھول اور سو کھی پتوں کا ایک ریلا اندر بلا یتی۔ لڑکی میں ہنے تک کی سکت

نہیں تھی لیکن اسے اپنارواں روای حساس اور بیدار معلوم ہو رہا تھا۔ اسے اپنے تمثالتے ہوئے چہرے پر خاک

کے ذرات تک کالمس محسوس ہو رہا تھا۔ ٹھنڈے سوندھے، چکتے ہوئے ذرات، اس کے جوان چہرے کو وحشیانہ

انداز میں چھوٹے اور پھر بے جان ہو کر جلد پر گرجاتے۔ پتہ نہیں کیسے تصورات کی گھریاں جھنجھنا کر چلتی ہی چلی

گئی، تمثیلیا ہوا چہرہ نازک سی موومتی بن گیا اور خاک کے لیے بے وقت ذرے جیتے جاتے پنگے!

لڑکی نے فیونیوں کی طرح بے دلی سے سوچا اور پھر خود کو آندھی کے طسم میں کھو دیا۔ اسے آندھیوں میں چلتی

ہوئی تیز ہواوں سے عشق بھی تو تھا۔ وہ ہمیشہ ایسے گونجتے، گرتے، بولتے، گاتے موسم میں بہک کر سوچا کرتی،

بس ایسے بی سہانے سے میری زندگی میں کوئی بڑی

خوبصورت، کوئی بڑی غیر معمولی بات بوگی!" ۱۸

ہاجرہ مسرور کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنی عبارت میں نادر تشبیہات واستعارات کا استعمال کر کے قاری کے ذہن میں وہ منظر نقش کر دیتی ہیں،

مندرجہ بالا عبارت میں بھی حسین، نرم و نازک چہرے کو شمع کی مانند قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ مٹھی کے ذرات بالکل ایسی ہی ہیں جیسے پروانہ۔ ایک اور

نفسیاتی پہلو تھی بھی کی گئی ہے کہ جب انسان اندر سے ٹوٹا ہوا ہوتا آندھیاں یا طوفان اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے بلکہ ان سے مد بھیڑ میں تو سرور میسر

ہوتا ہے۔ ہاجرہ نے اندر کے موسم کو باہر کے موسم کے ساتھ جوڑ کر حرست، آرزو، تمنا، چاہت، آرمانوں کی دنیا کو ٹوٹنے کی کوشش کی ہے۔

ہاجرہ مسرورنے افسانہ "اندھیرے اجائے" میں ایک نئی نویل دلہن کے جذبات کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے، مصنفہ نے رات کی

تاریکی کا سہارا لیا ہے اور خوب سارے مثالوں کے ذریعے وہ منظر تراشنے کی کوشش کی ہے کہ جس سے ایک دلہن گزرتی ہے، اور بے یک وقت اس

کے ذہن میں آتے جاتے، پیدا اور ختم ہوتے ہزاروں خیالات، امگوں کی آفراکش اور دم توڑتی ہوئے خوابوں کی جھلکیاں دکھائی ہے۔

"اندھیری ٹھڑتی رات میں ران کی پڑی گھاس کھائی بھرے تالاب کی طرح بلکورے لے رہی تھی اور ٹوٹے

ہوئے فوارے پر کیو پڑ دیوتا کا لگڑا بست یوں لگ رہا تھا جیسے الوازنے کے لیے پرتوں رہا ہو۔ دلہانے کمر بند سے

بندھی ہوئی چاپی موٹے سے تالے میں کھڑا کے سگھمائی اور پر اتادروازہ چرچا کر قبر جیسے اندھیرے کی طرف

بلانے لگا۔ چند لمحے بعد طاق میں ایک مدھم سی لوہوا کی سائیں سائیں سے لرز نے لگی اور اس کا پتی ہوئی ٹھٹھا ہٹ

میں موٹی ململ کے سرخ دوپٹے پر بڑی بڑی زور آزمائیاں بوئیں پر

دوپٹہ تو بدن کی گرمی کی طرح دولہن سے لپٹا بوا تھا" ۱۹

ہاجر نے افسانہ "اندھیرے اجائے" میں کمال منظر کشی کے ذریعے ٹوٹ کر بکھری ہوئی لڑکی کے جذبات بیان کیے ہیں، عورت جب بے بس ہوتی ہے تو کس تذبذب شدہ صورت حال سے گزرتی ہے۔ بے بسی، کمزوری، لاچاری، بے چارگی اور مجبوری سے بکھرتی ہوئی روح کو دکھایا ہے، ظاہری صورت کے خدوخال جن لفظوں کا سہارا لے کر بیان ہوئے ہیں تو دل میں احساس کے تھیڑے دستک ضرور دیتے ہیں۔ پیرا گراف ملاحظہ ہو:

"دروازہ اس طوفان رات میں سر شام ہی بند ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے بھیگے ہوئے جسم کو کتوں کی طرح بے بسی

سے بند کو اڑوں سے رگڑا اور پھر عجیب سی کشمکش میں مبتلا کھڑتی رہ گئی۔ اس کی پھیلوں سے منڈھی ہوئی کمزور

آنکھیں بند ہونے کے باوجود بڑی بیٹیا کو ان دروازوں کے پیچھے لیٹے دیکھ رہی تھی۔ سفید سفید بستر پر مملک کا کرتا

پہنے سبز چولی میں ابھرتا ڈوبتا سینہ، پیلا سا کمزور چہرہ اور
سنے بوئے بھورے بھورے بال" ۲۰

مصنفہ کو نفیات پر جیسے کہ مکمل عبور حاصل ہے اور نفیات میں خاص طور سے احساس کو، انسان کے ذہن میں چلنے والے خیالات اور مختلف اوقات میں مختلف تصورات کو نہایت خوبصورت لفاظی کے ساتھ پیش کیا ہے، افسانہ "اندھیرے اجائے" سے لیا گئی یہ عبارت ان کی ذوق جمال کی تصدیق پر مہربسط کرتی ہے۔

افسانہ "راج بل" میں یک طرفہ محبت میں گنجک احساسات کو خوب صورت انداز سے پیش کیا گیا ہے۔

"فنتی دیر سے بن سنورہاتھا اور صنعتاں بے خبر بیٹھی چرخے سے جو جھر ہی تھی۔ کم بخت نے ایک ذرہ نظر

اٹھا کر یہ بھی نہ دیکھا کہ فتنے کس نفاست سے گاڑھے کی بھی چوڑی چادر پہن کر پنڈلیوں تک لکھتے ہوئے دونوں

پلوؤں میں تمباکو باندھ کر کتنی خوبصورت گرہیں دی تھی اور مملک کے ڈھیلے ڈالے سفید کرتے کی آستینیں کتنی باریکی

سے چھی تھیں۔ سیاہ پنوں میں خوبصورت تیل چیز چکنے کے بعد ڈھیلی سفید مغل پگڑی ایک طرف جھکا کر دوسرا طرف

کے بالوں میں پارہ جیسے چمکتی ہوئی قوس والے کنگھے کو اٹھا ساختا۔ خاصہ جنٹلینین لگ رہا تھا۔ مگر وہاں تو بس ایک ہی رفتار

سے چرخ چلے جا رہا تھا اور پونی مونی جا رہی تھی ہنھ! فتنے کا جی جل گیا۔ بلا وہاں نگل کے آئینے حسن کے یہ دھوم دھڑکے

کیسے نظر آسکتے بیں؟" ۲۱

ادیبہ نے یہاں دو مختلف جذبوں کی منظر کشی کی ہے، ایک طرف عجیب خوب بن سنورہ کر اپنے محبوب کو لبھانے کی کوشش میں جھٹا ہے

جبکہ محبوب مخالف سمت میں دل کے شعلوں سے ابھرتی چنگاریوں کی خبر ہی نہیں رکھتا، محبوب کو تاثر دینے کے لیے فتنے ہر حد تک جانے کو تیار ہے

لیکن دوسرا طرف صنعتاں کو کوئی فرق نہیں پڑتا اور اس کے دل میں رتی بھر پیار کا جذبہ موجود نہیں، اس طرح کے یک طرفہ معاشقوں کے حسین

احساس کو بھی ہاجرہ اپنے صفحات میں جگہ دینے سے نہیں گھرا ہے۔

مصنفہ نے چوں کہ کم عمری میں ہی لکھنا شروع کر دیا تھا اس لیے عین مشاہدہ لیے دنیا کو تغیر کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے ہم عصر وہ کے آنکھوں میں بھی جھانکتی رہیں۔ افسانہ "سر گوشیاں" سے عبارت پیش خدمت ہے:

"جو انی لڑکپن کے ہونٹوں سے ابھی پورا رس نہیں چوس سکی ہے مگر پھر بھی جب تمہاری اس معصوم صورت بہن کے احساسات رہہ کر اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں دقيق موتی بن کر جھملاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس

نے تم سے زیادہ دنیا کو سمجھ لیا ہے" ۲۲

بعض اوقات کم عمری میں ہی تقدیر وقت کے چھپریں کھا کھا کر انسان خاصہ سمجھدار لگنے لگ جاتا ہے۔ اس کی گہری آنکھیں سب بتلارہی ہوتی ہے، بعض اوقات تو چچ چچ کر پکارہی ہوتی ہے، مصنفہ نے حسین جذبات کے ذریعے بتلانے کی کوشش کی ہے کہ حالات و مصائب، ناگفتہ بحالات، غربت و تنگ دستی، بے بسی میں جب انسان گھر جاتا ہے تو جتنی بار وہ گرتا ہے اتنی ہی زندگی اسے قدم قدم پر سبق سیکھاتی ہے، جس طرح چہرہ دل کی غمازی کرتا ہے، اس طرح آنکھیں بھی جذبات کی ترجمانی کر کے نہ چاہتے ہوئے بھی سب کچھ بتادیتی ہیں۔

جمالیات کے عناصر میں سے ایک عنصر آنکھیں بھی ہیں کیوں کہ یہ حسیات میں سب سے بڑھ کر کردار ادا کرتی ہیں۔ ہاجرہ مسرور کی جمالیات برتنے پر اگر کسی کو شک ہے تو یقیناً افسانہ "سر گوشیاں" کی اس عبارت کو پڑھنے کے بعد یہ شبہ بھی دور ہو جائے گا:

"بس گیتا ایسا لگ رہا ہے کہ یہ تمہاری آنکھیں نہیں بلکہ پہاڑ کے کسی اندر ہیرے غار میں پانی کے دوایسے گڑھے ہیں جن میں تازہ ہوا کہ کسی جھونکے نے آج تک کوئی لرزش نہیں پیدا کی۔ آج تک کوئی بلکورہ نہیں دیا۔ اور پھر ان عجیب سی آنکھوں پر تمہاری لمبی لمبی گھٹی پلکیں کیسی ٹھککتی ہوئی سی استادہ ہیں۔۔۔ آخر تمہاری پلکیں اتنی دیر سے چھپکتی کیوں نہیں۔ ماں تمہاری پلکیں ایسی ہو رہی ہے جیسے میلے اور ویران درپھول پر چڑھی ہوئی دو بیلیں جو سخت لو، دھوپ میں، جل کر خشک ہو چکی ہوں۔ اف یہ آنکھیں؟ یہ پلکیں! انہیں دیکھ کر ذہن میں کسی ایسے اجاڑ ٹوٹے پھوٹے محل کا تصویر یگاک آتا ہے جس کے پھانک پر سنگ سیاہ سے تراشے ہوئے دوست استادہ ہوں۔ ویرانوں اور نخوستوں کے محافظ!۔۔۔ خدا کے لیے گیتا! ذرا تو حرکت کرنے دو اپنی پلکوں کو اپنی آنکھوں کو۔

یہ پلکیں، یہ آنکھیں بی تو تمہارے جسم، تمہاری روح، تمہاری حسیات کا عنوان ہیں" ۲۳

ہاجرہ مسرور نے جس طرح سے آنکھوں کی خوبصورتی بیان کی ہے یقیناً بہت ہی کم لکھاری کر سکے ہیں، ہاجرہ نے آنکھوں کو پانی کے دو گڑھوں سے تشبیہ دی ہے یعنی ایسی آنکھیں جس میں کئی بہار اور خزان آکر گزر گئے ہوں لیکن ان کی تاثیر سے وہ آنکھیں محروم رہیں ہوں۔ آنکھوں کے حسن کو بلاشبہ پلکیں دو بالا کر دیتی ہیں، ہاجرہ نے پلکوں کی سو کھی بیلوں سے مماثلت پیش کی ہے اور اس بہتر انداز بیان ہو ہی نہیں سکتا، ہاجرہ کے بقول یہ آنکھیں اور یہ پلکیں ہی تو ہوتی ہیں جو جسم، روح اور حسیات کی ترجمان ہوتی ہیں۔

ادیبہ نے نہایت شاندار انداز میں اس صورت کی تصویر کشی کی ہے کہ جب انسان خود سے ہار جاتا ہے، دنیا سے نہیں ہر اپنی لیکن ایک ایسا الحمہ آتا ہے جب وہ فرار چاہتا ہے، خود سے ہی دور بھاگ جانا چاہتا ہے۔ اس فرار کے متعلق ان کے افسانے "چوری چھپے" سے پیرا گراف ملاحظہ ہو:

"دیکھورات کتنی منحوس آہستگی سے گزر رہی ہے۔ جیسے یہ رات اپنے کندھے پر ساری دنیا کے مردہ ضمیر کا جنزاہ اٹھائے ہو۔۔۔ اور چاند بود سے لدمے ہوئے آم کے درختوں کے لیک کر رہ گیا ہے۔ زرد اور اداس چاند۔ ستاروں کی چمک بجھتی سی جا رہی ہے اور ہوا میں دبی دبی سے جھنکا رہے جیسے مر گھٹ میں چڑیلیں نافر رہی ہوں۔ خوشیاں منار رہی ہوں اور سنو وہ کوئی نوزائیدہ چمکی سی منحوس آواز میں رو رہا ہے۔ اف کیسی منحوس ہوتی جا رہی ہے رات۔۔۔ میں تمہارے سرہانے کھڑی منہ ب سور رہی ہو اور تم روٹھے ہوئے جابر خاوند کی طرح اپنے آپ میں مست پڑی ہو لیکن گما تارانی کوئی اپنی زندگی سے بھی روٹھ جاتا ہے۔ زندگی سے روٹھنا تو بزرگی ہے۔ فرار ہے" ۴

رات کی گھپت تاریکیوں میں بعض اوقات نحوست جملکتی ہے، لگتا ہے جیسے چاند، درخت، ستارے سب خود سے تھک کر ستانہ چاہتے ہوں، بچ کی رونے کی آواز جیسے دماغ پر بجلیاں گرا رہی ہوں، رات کے گہرے اندر ہیروں میں جیسے ہر سمت چھڑپیں رقص کر رہی ہوں۔ مضفہ نے اپنے محبوبہ کو ظالم خاوند سے تشیبہ دی ہے کہ کس طرح کوئی بیوی کے منانے پر بھی وہ نہیں مانتا اور چپ سادھے ہوئے آنکھوں کو بدستور بند کیے ہوتا ہے۔

افسانہ "تل اوٹ پہاڑ" کا اقتباس بھی جمالیات کی حسین پیکر تراشی کر رہا ہے، ہاجرہ مسرورنے اس احساس کو بیان کیا ہے کہ جب بالوں میں مساج ہو رہا ہو اور آپ چاہتے ہیں کہ بس یہی وجہ اسی طرح قائم رہے اور آپ اس سرور سے باہر قدم نہیں رکھنا چاہتے، ادیبہ نے پیار کے اختنے گاموں کو بھی درشایا ہے جب محبوب کی ہاتھوں کی انگلیوں کے پورناظک بدن پر پھرتے ہیں تو اس لمس کا احساس چونکا دینے والا ہوتا ہے اور جب سانسوں میں محبوب کی دھڑکنیں ہوں، ہونٹ استادہ استادہ ہو نٹوں پر سب سب ہو جائیں تو جسم کے ہر نس میں خون کی رفتار معمول سے بڑھ کر کلبی مچانی لگتی ہے اور یوں زندگی کی بجھتی چنگاریوں کو جیسے ہو ایں جائے، ہاجرہ نے بطور مشاق لکھا ری اس احساس کو قارئین کے سامنے سینچا ہے۔

"وہ آہستہ میری لٹو میں کھنگا پھیرنے لگی اور میری آنکھیں سرور سے بند ہونے لگیں۔ یہ بھی میری بڑی عجیب عادت ہے کہ جہاں کسی نے میرے بالوں کو چھواؤ ر مجھے نیند آئی۔ اس کا ہاتھ لگکھی کرتے کرتے رکا اور میرے چہرے پر پھرنے لگا اور پھر اچانک میں نے اس کی پتی ہوئی سانس اپنے پھرے اور جلتے ہوئے ہونٹ اپنے ہو نٹوں پر محسوس کیے۔ میرے ٹھٹھے سے جسم کی رگوں میں چنگاریاں سی کلبائیں اور میں نے ٹھپر اکر آنکھیں کھول دیں۔ تو مجھے بہت اچھی لگتی ہوا اس نے میرے چہرے کو اپنی سلگتی ہوئی ہتھیلوں میں بھینچا اور میں بغیر سوچ سمجھے اپنے اوپر ناز کرنے لگی" ۵

ادیب نے جزیات کو اس کمال سے اپنی تحریروں میں برتاتا ہے کہ بس کیا کہنے۔ افسانہ "راکھ" کا قتباس ملاحظہ ہے:

"راکھ کے سینے پر ایک نئی سی چنگاری نے دم توڑتے ہوئے مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا اور میں نے سکریٹ کا سرا اس پر رکھ دیا۔ پھر جو دیکھا تو مرتی ہوئی چنگاری اپنی روح میری سکریٹ میں منتقل کر چکی تھی۔ میں جلتی ہوئی سکریٹ کو دوپٹے میں چھپا کر اس کمرے میں پہنچ گئی جہاں وہ سب میری منتظر تھیں" ۲۶

مصنفہ کی نظرؤں سے راکھ کی نئی سی چنگاری تک او جھل نہیں ہے، دم توڑتی چنگاری آخری سانسیں لینے سے پیشتر اپنی روح کسی طرح سکریٹ میں منتقل کر دیتی ہے۔

ہاجرہ نے اپنے موضوعات میں نسوانی موضوعات پر بہت لکھا، ہاجرہ نے درج زیل عبارت میں ایک بیٹی کا باپ کا انتظار دکھایا ہے، اس انتظار کے لحاظ میں جواہس اور جن جذبات سے عورت ذات گزرتی ہے، وہ نہایت دلکش انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ افسانہ "راکھ" کی اس عبارت سے بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

"شام کی بڑھتی ہوئی اداس تاریکی میں سامنے کی ہر چیز آہستہ دھنڈ لی پڑتی جا رہی تھی۔ اس نے نظریں پھر اپھر اکھ کر لھکوری اینٹوں سے بنی ہوئی بغیر پلیسٹر کی دیواروں کو دیکھنا شروع کیا جو اندھیرے میں ڈوب کر بھیانک ہوتی چلی جا رہی تھیں۔ جیسے وہ سیاہ رنگ میں نہایتی ہوں! ۔۔۔۔۔ اندھیرا اور تھائی! اس کا جی اللہ نے لگا تو کھانستی ہوئی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اسے اپنے باپ کا انتظار تھا جو کام پر سے آکر جانے کہاں چلتا باتھا۔ انه جانے کہاں بیٹھ رہے ابا؟ یہ خیال نہیں آتا کہ اکیلے گھر میں جی گھبرا ہو گامیرا! وہ جھنجھلاہٹ میں رہ رہ کر بس یہی سوچ رہی تھی اس کا جی چاہ رہا تھا کہ زور زور سے رونے لگے لیکن آنسو کا ذخیرہ جیسے حلق میں اٹک کر رہ گیا تھا۔ اس سے رویا بھی نہ گیا" ۲۷

انتظار دنیا کا مشکل ترین کام ہے اور پر سے رات کا گہر اندر ہیرا ہوا اور تھائی ہو تو سو فتم کے وسو سے انسان کے دل و دماغ پر چھا کر اسے اپنے قابو میں کر لیتے ہیں۔ یوں احساس تھائی اور احساس محرومی انسان کے جذبات پر کاری ضرب لگا کر اندر ہی اندر سے کھوکھا کیے جا رہی ہوتی ہے۔

ادیب جذبات کی ملکہ بن کر یک طرفہ کشش کو دل آویز زبان میں بیان کرتی ہیں، یہ بھی ایک عجیب سا احساس ہوتا ہے کہ جس پر آپ کا دم نکلے، جس کے ایک دیدار کے لیے دل ترسا جا رہا ہواں کی بے رخی کے باوجود بھی انسان کو ان سے کوئی شکوہ اور شکایت نہیں ہوتی بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ اور شدت اختیار کرتی جاتی ہے۔ افسانہ "معصوم محبت" میں ایسے ہی دو کردار صلو اور تنویر کی آپسی محبت اور بے رخی کو دکھلایا گیا ہے۔

"صلو کو تنویر کی بے رخی نے بہت دکھ پہنچایا۔ پھر بھی وہ اس کی میٹھی اواز سننے کے لیے بے چین رہا کرتا۔ وہ چلتی

تو اس کی نظریں چپکے چپکے اس کا تعقب کیا کرتیں لیکن جیسے تنویر کو ان سب باقتوں کی خبر ہی نہیں ہوتی یا پھر کوئی

کیا جانے اس کے دل میں محبت کی کوئی چنگاری سلگ رہی ہو۔ اور وہ اس دوری کے چھینٹوں سے بچانا چاہتی ہے۔

بہرحال صلو اس کے طرز عمل سے رنجیدہ رہتے اور طرح منیر بھی ان کے لیے پھروس چپ چپ رہتی" ۲۸

روایات کے مطابق شرم و حیا کا یہ عالم رہتا کہ جذبات سے مملو ہونے کے باوجود اظہار محبت نہیں کر پاتے، ایک طرف صلو تو نیر کی آواز سننے کو ترس جاتا ہے۔ اس کی نظریں ہر وقت دیدار کی تلاش میں سر گرم رہتی، لیکن دوسری جانب تو نیر کی خبر تک نہ ہوتی کہ آخر اس کے دل میں پیار کی چنگاری سلگ رہی ہے یا نظر انداز کیا جا رہا ہے۔

ہاجرہ مسرورنے جہاں رومان یا جمال پر سُتی پر قلم اٹھایا ہے تو اپنی دیرینہ روایات اپنی ثقافت، شرم و حیا کے دامن کو بھی ساتھ ساتھ لیے پھیرتی رہیں۔ جہاں موسم خوش گوار ہو وہاں بلبل کو بھی ترانے گانے کی دھن سوار ہو جاتی ہے، جہاں صلو تو نیر سے بے حد محبت کرتا ہے وہیں اسے ڈر بھی لگا رہتا ہے کہ کہیں تو نیر برانہ مان جائے، ایک طرف دل للپار ہا ہے تو دوسری طرف خدشہ برقرار ہے لیکن اس سب میں محبت کے جذبات حاوی ہیں۔ ان کے افسانے "معصوم محبت" سی لی گئی یہ عبارت ان کے حسین جذبات کی ترجیhanی کرتی ہے:

"موسم انہائی دل کش تھا۔ بادلوں کے ٹکڑے دور سے دوڑ دوڑ کر آتے اور آپس میں مل کر مغرب کے سینے میں سماجاتے۔ صلو اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑے تو نیر کو دیکھ رہے تھے۔ جو نیلی شال میں لیٹی آرام کر سی پر دراز کسی آفتاب کے مطالعہ میں مصروف تھی۔ بادل گر جاؤ اور تو نیر چونگی۔ اس کی نظر صلو پر پڑی جو اسے دیکھنے میں مصروف تھے۔ ان کی نظریں جھک گئیں۔ وہ ڈرے کہ کہیں اس طرح غور سے دیکھنے پر تو نیر برہمنہ ہو گئی ہو۔ وہ جلدی سے

اندر جا کر لیٹ رہے" ۲۹

ہاجرہ مسرورنے اپنے افسانے "چاند" میں جس خوب صورت انداز میں چاند کو پیش کیا ہے شاید چاند بھی کہہ اٹھے کہ کیا واقعی میں اس تحریر کے لا اُق ہوں۔ حسن بیان کے ساتھ نہ جانے ہاجرہ کہاں سے اتنے حسین الفاظ تلاش کر بر محل و موقع جزویتی ہیں جیسے موتی۔ اوپر سے جذبات کا اتنا معصومانہ اظہار کے دلوں پر تاثیر چھوڑے جاتا ہے۔ افسانہ "چاند" میں ادیبہ چاند کے لازوال حسن کو بیان کرنے میں اپنے جذبات سامنے رکھ دیتی ہیں۔ جب رات کی تاریکیوں کو چاند کی روشن شعاعیں چیرتی ہوئی آگے بڑھتی ہیں تو آنکھوں کے راستے دل میں اتر کر خواہشوں کے انبار لگادیتی ہیں۔

"چاند عروس شب کے ما تھے کی جملاتی ہوئی انمول لیگی۔ تیری لرزتی ہوئی شعاعیں کتنے چپکے آسمان کی چوٹی سے اترتی ہیں اور معصوم آنکھوں میں گھس کر، سوتے ہوئے دلوں کی گہرائیوں میں سما کر انسان کو چلتی پھرتی
امنگ بنا دیتی بیں" ۳۰

ہاجرہ چاند کو مخاطب کر کے اس کے سامنے اپنادل کھلی کتاب کی طرح رکھ دیتی ہے، اپنی دل میں چھپی امنگ کو آشکار کرنے سے قبل وہ چاند کوہی ایک حسین امنگ قرار دیتی ہیں۔ ہاجرہ، چاند کو بتاتی ہے کہ اے چاند تجھے کیا خبر کے کتنے عشقان تیرے ہیں اور جب تو آسمانوں میں سواری

کرتا ہوا تیر برساتا ہے تو بہت سو کے دلوں کے آر پار ہو جاتا ہے، بہت سے لوگ تیرے حسن سے برستے شعلوں کو برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتے۔

"چاند اور امنگ! اے چاند تو تو خود ہی نظرت کی کوئی حسن اور اچھوتی امنگ ہے۔ اے خوبصورت اور بھرپور چاند!

جب تو نیلے آکاٹ کے میدان میں رات کی ابتو سی رتھ پر سوار ہو کر مشق تیر اندازی کرتا ہے تو تجھے کیا معلوم کر کتنے

معصوم دلوں میں تیرے غیر مرئی تیر ترازو بو جاتے بیس" ۲۱

بلائشک و شبہ ہاجرہ حسن و جمال کی شیدائی ہیں۔ ان کی حس جمال صرف حسین و محیل نادر تشبیہات و استعارات، انداز بیان، خوب

صورت الفاظ و خیالات تک محدود نہیں ہے بلکہ وہ تو احساس و جذبات کے ذریعے وجدان پر اثر کرنے والی پہلوتک کو پر کھتی ہیں اور اس علم و ذوق

رکھنے پر ہی ان کی تحریر اتنی لا جواب ہے۔ چاند کورات کی دیوی جو محبت کی پرستش کرتی ہے سے جوڑا گیا ہے، چاند کا غروب و طلوع ہونے کے منظر کو

پیٹ کے بل رینگنے سے مماثلت دکھائی ہے، یوں اس چکتے چاند کو دیکھنے میں احساس رکھنے والوں کے لیے کتنا بڑا پیغام ہے یہ صرف دل سے محسوس کیا جاسکتا ہے۔

"ہاں جبھی تو چاند کے حسن کو چار چاند لگے ہیں۔ دیکھونا وہ سامنے ساکت اور صامت درختوں کے جھنڈ کے پیچھے

ابھرتا ہوا کتنا عجیب سا معلوم ہو رہا ہے۔ جیسے رات کی دیوی، محبت کی پوجا، کرنے پتوں سے ڈھکی ہوئی کئی سے

نمودار ہو رہی ہے۔ تاروں بھر آنچل مکھڑے پڑا لے۔ ہاتھوں میں چاند کی چھپماتی تھاں تھاے، کتنے ہو لے

ہو لے پیٹ کے بل رینگنی جارہی ہے۔ خاتون! دیکھو یہ منظر بے حس انسانوں کے لیے کتنا روشن پیغام محبت

۲۲

حوالہ جات:

۱- اردو میں مختصر افسانہ نگاری کی تنقید، پروین اظہر، ڈاکٹر، علی گڑھ، ایجوکیشنل بک باوس، ص: ۱۱

۲- وقار احمد رضوی، سید، ڈاکٹر، معروضی تنقید، کراچی، رائل بک کمپنی، ص ۱۵۰

۳- تنقیدی دبستان، سلیم اختر، ڈاکٹر، لابور، سنگ میل پبلیکیشنز، ص:

۱۱۰

۴- ایضاً ص: ۱۱۰

۵- ایضاً ص: ۱۱۱

۶- اردو تنقید کا اصل چھرہ، عارفہ ادریس خان، لابور، علم و عرفان پبلیکیشنز، ص: ۹۷

۷- اردو تنقید کا ارتقا، عبادت بریلوی، ڈاکٹر، کراچی، انجمان ترقی اردو، ص: ۰۶

- ۸- نظریاتی تنقید، ابوالکلام قاسمی، ڈاکٹر، لاپور، بیکن بکس پبلیشرز، ص: ۱۱۴
- ۹- مشرق و مغرب میں تنقیدی تصورات کی تاریخ، محمد حسن، نئی دبلي، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ص: ۲۰۹
- ۱۰- مغرب میں تنقید کی روایت، عتیق اللہ، نئی دبلي، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ص: ۲۸۶
- ۱۱- اردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ، سنبل نگار، علی گڑھ، جہاں نما آزاد نگر پبلیکیشنز، ص: ۲۰۶
- ۱۲- باجرہ مسرور، سب افسانے میرے، لاپور، مقبول اکیڈمی شابریہ قائداعظم، ص: ۹۷
- ۱۳- باجرہ مسرور، چاند کے دوسرا طرف، سب افسانے میرے، لاپور، مقبول اکیڈمی شابریہ قائداعظم، ص: ۱۱۹
- ۱۴- ایضاً، ص: ۵
- ۱۵- ایضاً، ص: ۷
- ۱۶- ایضاً، ص: ۹۵
- ۱۷- باجرہ مسرور، تیسرا منزل، سب افسانے میرے، لاپور، مقبول اکیڈمی شابریہ قائداعظم، ص: ۳۶۷
- ۱۸- ایضاً، ص: ۳۶۸
- ۱۹- باجرہ مسرور، اندهیرے اجالے، سب افسانے میرے، لاپور، مقبول اکیڈمی شابریہ قائداعظم، ۱۹۹۱، ص: ۲۸۵
- ۲۰- ایضاً، ص: ۴۰۲
- ۲۱- ایضاً، ص: ۴۰۵
- ۲۲- باجرہ مسرور، چرکے، سب افسانے میرے، لاپور، مقبول اکیڈمی شابریہ قائداعظم، ص: ۸۶۷
- ۲۳- ایضاً، ص: ۸۶۸
- ۲۴- باجرہ مسرور، چوری چھپے، سب افسانے میرے، لاپور، مقبول اکیڈمی شابریہ قائداعظم، ۱۹۹۱، ص: ۵۸۱
- ۲۵- باجرہ مسرور، بائے اللہ، سب افسانے میرے، لاپور، مقبول اکیڈمی شابریہ قائداعظم، ص: ۶۸۰
- ۲۶- باجرہ مسرور، اندهیرے اجالے، سب افسانے میرے، لاپور، مقبول اکیڈمی شابریہ قائداعظم، ص: ۴۸۹
- ۲۷- ایضاً، ص: ۴۸۹

- ۲۸- باجرہ مسرور، چرکے سب افسانے میرے، لاپور، مقبول اکیڈمی شاپراہ قائداعظم، ص: ۸۲۴
- ۲۹- ایضاً، ص: ۸۲۴
- ۳۰- ایضاً، ص: ۸۰۳
- ۳۱- ایضاً، ص: ۸۰۳
- ۳۲- ایضاً، ص: ۸۰۴